ہمارا دینی زوال

اور

اس کے تدارک کا صحیح منہاج

✿

ایک اہم خطاب

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

شعبہ نشر و اشاعت

منہاج القرآن یوتھ لیگ

مرکزی دفتر ۳۶۵-ایم ماڈل ٹاؤن لاہور (پاکستان)

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب	ہمارا دینی زوال اور اسکے تدارک کا سہ جہتی منہاج
تصنیف	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری
اشاعت اول	فروری ۱۹۸۸ء (۵ ہزار)
اشاعت دوم	جولائی ۱۹۹۸ء
تعداد	گیارہ سو
قیمت	۱۲ ر روپے
	منہاج القرآن پرنٹرز

زیرِ نظر کتابچہ دراصل پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کے اس اہم خطاب کی بہ حذفِ مکررات مربوط تقریری صورت ہے جو آپ نے منہاج یوتھ ونگ شادمان لاہور کے نوجوانوں سے کیا۔ خطاب کا مجموعی مواد اور موڈ اسے مؤثر تقریری رنگ میں ڈھال کر شائع کرنے کا متقاضی تھا اس لیے اسے تقریری تحریر سمجھا جائے۔ اس خطاب کی علمی و فکری اہمیت اور ندرت کا اندازہ تو اسے پڑھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ تقریری تحریر "دریا بہ حباب اندر" کی شان رکھتی ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْكَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صلی الله تعالی علیه وعلی آله واصحابه وبارك وسلم

گورنمنٹ آف پنجاب کے نوٹیفیکشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴۔۱/۸۰ پی آئی وی مورخہ ۳۱ جولائی ۸۴، گورنمنٹ آف بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷۔۴۔۲۰ ای جنرل وایم ۴/۹۷۰۔۳۔۷۳ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء، شمال مغربی سرحدی صوبہ کی حکومت کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۔۲۴۴۱۔۷۶ این۔۱/۱ اے ڈی (لائبریری) مورخہ ۳۰ اگست ۸۶ء اور آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر مظفر آباد کی چٹھی نمبر س ت / انتظامیہ / ۶۳۔۸۰۶۱ / ۹۲ مورخہ ۲ جون ۹۲ء کے تحت پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف کردہ کتب ان صوبوں میں تمام کالجوں اور سکولوں کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کوئی ذی شعور انسان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ کسی ملت کا شباب اور عروج و کمال نوجوانانِ ملت کے پاکیزہ، متحرک اور انقلابی کردار کا نتیجہ ہوتا ہے اور نوجوانوں کی گمراہی، بدعملی اور اضطراب کے سبب

ع اُجڑتے دیکھے ہیں گردوں نے اُمتوں کے شباب

یہ اللہ کا بے پایاں فضل و احسان ہے کہ اُمت کے اس دورِ زوال میں تحریکِ منہاج القرآن امت کو منہاج القرآن پر چلانے کے لیے برسرِعمل ہے۔ آج نوجوانانِ ملت کے اسلام سے دُور اور اسلامی فکر کے باب میں احساسِ کمتری کا شکار ہو جانے کے اسباب و علل کی جو تشخیص منہاج القرآن نے کی ہے اس کے مطابق آج کا نوجوان

۱۔ علمی، فکری، سائنسی اور فلسفیانہ سطح پر اسلام کی حقانیت پر مطمئن نہیں ہے۔

۲۔ فکر، عمل کے لیے مہمیز ہوتی ہے۔ جب فکر اسلام سے منحرف ہے تو عمل کا بجبر نفاذ (Imposition) تو ممکن ہے لیکن دل کی گہرائیوں سے اسلام کے عملی نظام کو قبول کر کے اس پر عمل پیرا ہونا آج کے نوجوان کے لیے انتہائی مشکل ہے اور جب دین کے نام لیواؤں کا کردار تضادات کا شکار ہو تو نوجوانوں کے لیے اسلام پر عمل پیرا ہونا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے کیونکہ اہلِ دین کا کردار انہیں دین سے بھی نفرت دلا دیتا ہے۔

۲۔ جب اسلامی اقدار کا روحانی سہارا آج کے نوجوان کے قلب، ذہن اور روح کو میسر نہ آسکا اور مادی دور کی نام نہاد فکری، فلسفیانہ اور ثقافتی یلغار نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تو آج کے نوجوان کی شخصیت درد و کرب اور بے چینی کا سمندر بن کر رہ گئی

منہاج القرآن نے اس فساد کا تشخیص کے بعد جو علاج تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ آج کے جوان کو تین پہلوؤں سے اسلام کی حقانیت کا یقین دلانا ضروری ہے اور ان تین پہلوؤں سے اسلام کی نمائندگی بالخصوص نوجواں کی سطح پر اور بالعموم عامۃ الناس کی سطح پر وقت کی پکار ہے۔

۱۔ اسلام کی فکری، فلسفیانہ اور سائنسی و علمی حقانیت کا یقین دلانا

(Scientific Presentation of Islam)

۲۔ اسلام کے عملی نظام کی (Practicability) اور برکتوں کا شعور دلانا

(Practical Presentation of Islam)

۳۔ اسلام کے روحانی نظام کی برکتوں اور تعمیر شخصیت میں اس کے کردار کو آشکار کرنا۔ (Spiritual Presentation of Islam)

گویا منہاج القرآن بیک وقت نوجوانوں اور عام لوگوں کے دماغ، مشاہدہ، عمل اور دل کے اندر اسلامیت کو پوری طرح اتار دینا چاہتا ہے تاکہ بقول آیت قرآنی

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً	اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ کے رنگ سے بہتر اور کس کا رنگ ہو سکتا ہے۔ (البقرہ : ۱۳۸)

لوگ اس رنگ میں ایسے رنگ جائیں کہ اور کسی رنگ میں ان کے لیے کوئی کشش باقی نہ رہ جائے

اس سلسلے میں ایک بنیادی نکتہ جسے سمجھنا ناگزیر ہے وہ یہ ہے کہ بحمداللہ ہم سب مسلمان ہیں۔ ہمارے والدین، ہمارا گھرانہ اور ہمارا ماحول سب کچھ مسلمانوں کا ہے لیکن ہر شخص اس حقیقت سے اتفاق کرے گا کہ ہماری مسلمانی کا گراف روز بروز نیچے جا رہا ہے جب ہم ذاتی سطح سے لے کر معاشرتی سطح تک اپنے احوال، معاملات اور رویّوں کا جائزہ لیتے ہیں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے اندر 'اسلامیت' تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے اور ہمارا کردار 'اسلامی' کی بجائے 'کچھ اور' ہو چکا ہے۔ ہمارے رُجحانات میلانات اور رغبتیں دین کی راہ سے ہٹ کر کسی اور راہ پر جا رہی ہیں جس کے باعث ہماری شخصیتوں میں انتشار (Disintegrity) آ رہی ہے۔ ذہن پراگندہ ہیں قلب و روح بے چین ہیں اور عمل خلوص اور پاکیزگی سے عاری ہوتا جا رہا ہے۔

آج ہم اپنے عام گھرانوں کی سطح پر دیکھیں تو موجودہ نسل کے والدین یا ان کے والدین اپنی زندگی میں بڑے مذہبی لوگ تھے اور ہیں۔ دین کے ساتھ رغبت، نماز کی پابندی، اللہ اللہ کرنا اور اسلام کی سماجی اقدار کی پابندی کا رجحان عام نظر آتا ہے اگر بعض کے والدین دین سے دُور ہیں تو ایک دو پشتیں قبل ان گھرانوں پر بھی اسلامی تعلیمات کی گرفت اور اسلام پر عمل کی گہری چھاپ نظر آئے گی لیکن اب انہی گھرانوں کی اولادیں اسلامی تعلیم اور دینی شعائر سے دُور ہوتی جا رہی ہیں۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اب عموماً ہماری نوجوان نسل کا رُجحان و میلان دین کی طرف نہیں رہا۔ ہمارے وہ ادارے (Institutions) جو نوجوانوں کی سیرت و کردار اور زندگی کے عمومی رویّوں کی تشکیل کرتے ہیں وہ نوجوانوں کے میلانات کو اسلام کی راہ پر ڈالنے سے قاصر ہیں۔ آج فحاشی، عریانی

لذت کوشی اور سستی جذباتیت طبیعتوں پر اپنی گرفت مضبوط کرتی جا رہی ہے مزاج اور میلان نیکی اور دینی اقدار سے گریزاں اور فسق و فجور کی جانب جا چکے ہیں اور اس کے نتیجے میں کردار و عمل میں جو خرابیاں اور قباحتیں در آتی ہیں وہ اتنی بیّن ہیں کہ بیان کی ضرورت نہیں۔ آج مذہبی اور تبلیغی جماعتیں بکثرت اپنے اپنے طریقے کے مطابق جہد و عمل میں مصروف ہیں نہ مبلغین اور علماء کی کمی ہے اور نہ ہی مسجدوں اور مدرسوں کی۔ لوگوں کو دین کی طرف رغبت دلانے کیلئے وقت کے جدید ترین ذرائع اور آلات استعمال کیے جا رہے ہیں۔ آج وعظ و نصیحت، جلسوں، اجتماعات اور لٹریچر کی اتنی بھرمار ہے کہ باید و شاید۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ پھر بھی برائی کی قوتوں (Evil Forces) کی گرفت معاشرے پر مضبوط ہے جب کہ نیکی کی طرف کھینچ کر لانے والی قوتیں بے اثر ہوتی جا رہی ہیں۔ کبھی دین ہماری زندگی کا مرکز و محور تھا لیکن آج مائل بہ مرکز قوتوں کے مقابلے میں مرکز گریز قوتیں مضبوط ہیں اور ان کے اثرات اور گرفت لمحہ بہ لمحہ مضبوط تر ہوتی جا رہی ہے۔ نوجوان نسل کے ساتھ والدین کا سلوک صرف شکوے تک محدود ہے کہ یہ دین کی طرف رغبت نہیں کرتے، نماز کے لیے کہتے ہیں تو نماز نہیں پڑھتے برائیوں کی طرف مائل ہیں روکے نہیں رُکتے، جبکہ علماء الا ماشاءاللہ محض فتوے پر اکتفا کرتے ہیں کہ بس جی ملحد ہیں۔ دین سے دُور ہو گئے۔ یہ مادیت کا دَور ہے۔ نوجوان فسق و فجور، فحاشی و عریانی اور لغویات میں کھو گئے ہیں۔ دینی و تبلیغی طبقات کے اس موقف پر یہ سوال اُبھرتا ہے کہ آیا ان کی تعلیم و تبلیغ بے اثر ہو کر رہ گئی ہے؟

علماء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جی قیامت قریب ہے حضورؐ نے یہ پیشین گوئیاں کر دی تھیں اس لیے یہ تو ہونا ہی ہے۔ گویا انہوں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہے اور بے اطمینانی کے اندر اطمینان کی ایک صورت پیدا کر لی ہے

دراصل یہ نیکی کے علمبرداروں کا اعترافِ شکست ہے اور انہوں نے بالواسطہ (Indirectly) یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ہم بدی کی قوتوں سے ٹکر نہیں لے سکتے اور نہ ہی ان کے اثر کو زائل کرسکتے ہیں اور دین و اخلاق کی گرفت اب دوبارہ مضبوط نہیں ہوسکتی ہم تو محض فریضۂ تبلیغ ادا کر رہے کہ کل قیامت کو تبلیغ نہ کرنے کے الزام کے باعث ہم پر گرفت نہ ہو جائے۔ دراصل مختلف انداز سے کہی جانے والی یہ بات مایوسی، نا امیدی اور بے یقینی کی مظہر ہے۔ یہ سوچ، فکر، اعصاب اور عزم کی کمزوری ہے۔ ایمان، اسلام، قرآن اور دین کبھی بھی اس تصور کو قبول نہیں کرتے اگر آج ہم اس تصور کو درست مان لیں اور حالات کو اس طرح بے لگام چھوڑ دیں، حالات سے اسی طرح سمجھوتہ کرلیں اور بے یقینی و مایوسی کی کیفیتوں کے ساتھ اس غیر مؤثر ڈھیلے ڈھالے اندازِ تبلیغ کو اپنائے رہیں تو روز بروز بدلتی ہوئی صورتِ حالات کو ذہن میں رکھ کر آپ چشمِ تصور سے دیکھیں کہ آج سے ۱۵ یا ۲۰ سال بعد ایسی نسل منصۂ شہود پر آئے گی جو صرف نام کے مسلمان ہوں گے جس طرح مغربی دنیا میں عیسائی بہانگِ دہل کہتے ہیں

"We are not practising christians"

"We are christians only by name"

اگر ہم اسی راستے پر چلتے رہے تو ایک دن ہماری نسل بھی خود کو معاذ اللہ "Non-Practising Muslims" قرار دے گی۔

یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ سب سے زیادہ مذہبی گھرانے تو علماء مشائخ اور پیروں کے ہوتے ہیں ان کی اولادوں کے بھی۔ الاماشاءاللہ، مغرب پرست ہونے اور دین سے دور ہوتے چلے جانے کی رفتار عام نوجوانوں سے کسی طرح کم نہیں جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آج اہلِ دین کا کردار بالعموم ان کی اولادوں کے لیے آئیڈیل نہیں رہا

ایک موقعہ پر ایک انٹرویو کے اختتام پر ایک صحافی نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ جس بچے سے بھی اس کے مستقبل کے بارے میں پوچھا جاتے وہ کہتا ہے کہ میں ڈاکٹر بنوں گا، انجینئر بنوں گا، یا آرکیٹکٹ بنوں گا، طرح طرح کی باتیں کرتا ہے کبھی کسی بچے کے منہ سے یہ نہ سُنا گیا کہ وہ عالم دین بننا چاہتا ہے۔ آج عالم دین ہونا آئیڈیل کیوں نہیں رہا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ مختلف Professions اور Careers اپنانے کی آرزو یا عزم کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس سے قبل اس میدان میں جو لوگ ہوتے ہیں جب بچہ معاشرہ میں ان کے مقام، حیثیت، عزت اور منصب کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں وہی مقام حاصل کرنے کی آرزو مچلتی ہے۔ اگر بدقسمتی سے آج علماء بالعموم آئیڈیل نہیں رہے، اُن کا آئیڈیل ہونا بند (Cease) ہو چکا تو نوجوان نسل نے بھی پلٹا کھایا ہے جب اکثر علماء کا کیریئر، ان کا منصب، شخصیت اور کردار مطلوبہ معیار سے گر کر اس کیفیت کو پہنچ گیا ہو کہ

ع ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

تو کسی بچّے کا ذہن کس طرح انہیں بطور آئیڈیل قبول کر سکتا ہے؟ وہ کس طرح عالم دین بننے کو اپنا مقصود قرار دے سکتے ہیں؟

صحافی نے سوال کیا کہ علماء و مشائخ کے گھرانے تو دین کے گہوارے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ان کے بچّے بھی ڈاکٹر، انجینئر اور آرکیٹکٹ بننے کی باتیں کرتے ہیں؟ میں نے کہا جو حال علماء کا ہے اِلّا ماشاءاللہ ان کی اولادیں دوسرے لوگوں سے زیادہ بہتر جانتی ہیں۔ لوگ تو ان کو محض جبّے قبّے میں ملبوس، تسبیح و تقدیس میں مشغول دیکھتے ہیں کہ مسجد آ جا رہے ہیں، ہاتھ چومے جا رہے ہیں لیکن اولاد تو والدین کو قریب سے دیکھتی ہے، اس کے سامنے تو شب و روز گھر کی چاردیواری

اہلِ خانہ کے ساتھ سلوک اور کمروں کے اندر کے حالات ہیں۔ جب اولادیں والدین کے قول و فعل میں تضاد دیکھتی ہیں تو بہت قریب ہونے کے باعث ذہنی و قلبی طور پر بہت دُور ہو جاتی ہیں اس لیے کہ وہ محرمِ رازِ درونِ میخانہ ہیں۔ علمائے سلف کے علم، کردار اور رتبے کے اندر ظاہر و باطن، قول و عمل اور خلوت و جلوت کی وحدت تھی۔ موافقت تھی ان کے کردار میں یہ تاثیر، کشش اور روشنی اور تابانی تھی کہ انہیں آئیڈیل بنا لینا قابلِ فخر سمجھا جاتا تھا۔ اگر علماء آج بھی اپنے ظاہر و باطن، قول و عمل اور خلوت و جلوت میں وحدت اور موافقت پیدا کر لیں تو ان کا وہی مقام و مرتبہ بآسانی بحال ہو سکتا ہے انہیں آئیڈیل بننے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ میرا بیٹا حسن کمرے میں داخل ہوا چونکہ انٹرویو کے فوراً بعد سب اہلِ خانہ کا کسی کے ہاں عیادت پر جانے کا پروگرام تھا اور انٹرویو کا وقت ختم ہونے والا تھا۔ حسن نے کمرے میں آکر پوچھا: "ابو! امی پوچھ رہی ہیں کہ آیا؟ تیار ہو جائیں؟" اس صحافی نے حسن کو اٹھ کر پکڑ لیا اور معاً بچے سے اس کا نام پوچھنے کے بعد سوال کر دیا کہ بیٹا تم بڑے ہو کر کیا بنو گے؟ ڈاکٹر، انجینئر یا پائلٹ؟ یہ سوال "Suggestive" تھا جس نے بچے کی سوچ کو محدود کر دیا لیکن بچے نے سوال کو غور سے سنا اور ایک لمحہ کے توقف کے بعد کہا:

"میں بڑا ہو کر خادمِ اسلام بنوں گا۔" یہ سُن کر صحافی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے کہا کہ جو "Theory" آپ نے مجھے دی اب مجھے اس کی سمجھ آئی ہے۔

ہمارے سامنے مسئلہ صرف یہ ہے کہ ہم لوگوں کو دینی تعلیم اور دینی اقدار کی طرف کس طرح راغب کر سکتے ہیں؟ یہاں میں ایک غلط فہمی کا ازالہ کر دینا

چاہتا ہوں ۔ قربِ قیامت کا معنی صرف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور قیامت آپ ہی کے زمانے میں آئے گی ۔ اب ہزاروں سال مزید بھی بیت جائیں تو یہ قرب ہی قُرب ہے ۔ اگر ہم قیامت کے اُس تصور پہ اکتفا کرتے ہیں جو کم علمی اور غلط فہمی کے باعث پیدا ہو چکا ہے تو ہماری ہلاکت ہمارے سامنے ہے ہم اس آنیوالی تباہی سے بچ نہیں سکتے ۔ آج لبنان، شام، مصر اور ایران وعراق کے افسوسناک حالات ہمارے سامنے ہیں ۔ عالم اسلام بلاکوں میں تقسیم ہو کر صہیونی قوتوں کے ہاتھوں بُری طرح پِٹ رہا ہے ۔ یہ ذلّت و رسوائی نہیں تو اور کیا ہے ؟

آج مغرب کی استحصالی اور طاغوتی طاقتیں سُرخ وسفید سامراج اور ہندو بنیا باقاعدہ سازشوں کے تحت مسلمانوں کو بانٹ بانٹ کر پیٹ رہے ہیں، اسلام کی طاقت کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور یہ کسی سے پوشیدہ نہیں ۔ جب مسلمان کا اپنا کردار اتنا گر چکا ہو کہ اس کے اور کافر کے مابین سوائے نام کے اور کوئی امتیاز باقی نہ رہے تو یہود کے ہاتھوں ذلیل و رُسوا ہونا اُن کا مقدّر بن جانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ۔ آج ہم عرب ممالک میں جہاز فل پر سفر کریں تو ان میں بھی شراب پانی کی طرح پیش کی جاتی ہے اور پانی کی طرح استعمال کی جاتی ہے ۔ اب کیا پتہ چلے کہ پینے والے مسلمان ہیں ؟ یہودی ہیں یا ہندو ہیں ؟ کیونکہ وضع قطع تو پہلے ہی بدل چکی ہے ۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں ؟ جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ابھی دورۂ یورپ سے واپسی پر مجھے بحرین ائرپورٹ پر دو گھنٹے کے لیے فلائٹ کے انتظار میں رُکنا پڑا ۔ نماز مغرب ادا کر کے میں آرام سے ایک بنچ

پر بیٹھ گیا۔ میرے ساتھ تین یا چار عربی بیٹھے تھے غالباً بحرین ہی کے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھوں میں ۳۳ دانوں والی تسبیح تھی اور انھوں نے ۱½ گھنٹے کے اندر خدا جانے کتنے جگ شراب کے میرے سامنے پیئے۔ وہ تسبیح گھماتے جاتے تھے اور جام پہ جام چڑھاتے جاتے تھے گویا اسلام کا مذاق اُڑا رہے تھے۔ جو حالت شاہ کے دَور میں ایران کی تھی آج دوسرے عرب ممالک الاّ ماشاء اللہ اس سے کسی طرح پیچھے نہیں۔ آج وہاں نائٹ کلب ہیں، شرابیں ہیں، خنزیر ہیں، حرام غذائیں اور حرام مشروب ہیں۔ بدکاریاں اور حرام کاریاں ہیں۔ زندگی کا ایک ایسا ڈھنگ ہے کہ ایک سچا مسلمان اس کا اپنے لیے تصوّر تک نہیں کر سکتا۔ وہاں کی نوجوان نسلیں اکابر اولیاء اور بزرگانِ دین کے ناموں تک سے آگاہ نہیں اور اب اُن کا دین کے ساتھ نام کا ربط بھی ٹوٹتا جا رہا ہے۔ اگر حالات یہی رہے تو ان لوگوں کی آئندہ نسل کا اسلام کے ساتھ کیا واسطہ ہو گا؟ اگر ہمارے ہاں بھی حالات کے بدلنے کی یہی رفتار رہی، ہم نے حالات کو اسی ڈگر پر چلنے دیا تو ہماری دو یا تین نسلوں کے بعد دین سے ہماری وابستگی کا کیا حال ہو گا؟ ہمیں ابھی چشمِ تصوّر سے یہ سب کچھ دیکھ لینا چاہیئے۔

اب ہمارے سامنے راستے دو ہی ہیں یا حالات کو اُن کی رفتار پر چھوڑ کر محض کفِ حسرت ملتے رہیں اور یا انہیں بدل ڈالنے کے لیے جدوجہد کا آغاز کر دیں۔ بالکل اسی طرح جیسے بچہ کالج میں پڑھتا ہو اور تن آسانی و سستی کے باعث تعلیم میں کمزور ہوتا چلا جائے اور والدین کو اس کا فیل ہونا یقینی نظر آ رہا ہو اب ان کے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو بچے کو اس کے حال پر چھوڑ دیں یا پھر فکرمند ہوں اور سختی، پیار یا دوسری تدابیر سے اُسے محنت اور جاں سوزی کی طرف مائل کر دیں۔ اگر انہیں واقعتہً بچے سے محبت اور ہمدردی ہو گی تو وہ یقیناً دوسرا

راستہ ہی اختیار کریں گے۔

اس وقت ہم ملی طور پر اسی کیفیت سے گزر رہے ہیں۔ ذلت و رسوائی اور ہلاکت سامنے نظر آ رہی ہے۔ کچھ لوگ مادیت پرست ہونے کے باعث یا تو اُمت کی حالتِ زبوں کی ان کیفیات سے بے بہرہ ہیں اور اگر آگاہ بھی ہیں تو نفسانیت کے غلبے کے باعث ان کی سوچ اور توجہات محض کار، کوٹھی، بینک بیلنس، جاہ و جلال اور مال و دولت پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہیں۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جنہیں اللہ نے شعور دیا ہے، اُمت کا درد دیا ہے، اجتماعی عزت اور غیرت کا احساس دیا ہے جو دورِ زوال میں بھی یہ شعور رکھتے ہیں کہ ایمان کامل ہو تو سیاسی غلبہ مومن کا مقدر ہے۔

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

یہی سوچ اور احساس آج منہاج القرآن کا مشن بن کر اُمتِ مسلم کے ہر فرد کو دعوتِ عمل دے رہا ہے۔ یہ ایک تڑپ ہے، ایک طلب اور آرزو ہے، ایک شعور اور امنگ ہے۔ اس مشن نے احیائے اُمت کے لیے بے شمار محاذوں پر جدوجہد کا آغاز کر دیا ہے۔ کہیں دین کے بُرھانی و علمی غلبہ کے لیے تعلیم کے میدان میں انقلابی جدوجہد ہے کہیں جلائے قلوب اور صفائے باطن کے لیے درسِ تصوف اور ذکرِ الٰہی کی محفلوں کے سلسلے ہیں، کہیں پوری دُنیا کے اندر اسلام کی اخلاقی، معاشرتی، سیاسی، معاشی اور انقلابی تعلیمات کو مؤثر انداز میں پیش کرنے کے لیے اردو اور انگریزی میں کیسٹوں اور کتابوں کو ہر مسلم اور غیر مسلم تک پہنچانے کے لیے ادارہ کی شاخیں اور لائبریریاں قائم کی جا رہی ہیں۔

اس وقت اُمت اجتماعی طور پر جس زوال و انحطاط کا شکار ہے، ہمارا کردار

جس طرح پست ہوتا جا رہا ہے اور ہم جس تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔ منہاج القرآن کے نزدیک اس کا علاج صد فی صد ممکن ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اگر اخلاصِ نیت سے ایثار و دردمندی کے ساتھ جد و جہد کی جائے تو غلبۂ دین کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

آج دُنیا میں اسلام کو (Present) کرنے کے لیے ہمیں تین سطحوں پر کام کرنا ہوگا

۱۔ اسلام کی فکری، فلسفیانہ اور سائنسی و علمی حقانیت کا یقین دلانا
(Scientific Presentation of Islam)

۲۔ اسلام کے عملی نظام کی (Practicability) اور برکتوں کا شعور دلانا
(Practical Presentation of Islam)

۳۔ اسلام کے روحانی نظام کی برکتوں اور تعمیرِ شخصیت میں اس کے کردار کو آشکار کرنا۔
(Spiritual Presentation of Islam)

یہی منہاج القرآن کا مشن اور تحریک ہے اور اسی کی طرف ہم افرادِ اُمت کو دعوت دیتے ہیں۔ مَیں صرف صدا دے رہا ہوں۔ یہ بانگِ درا ہے تاکہ نیند کے ماروں کو بیداری نصیب ہو اور افرادِ اُمّت کو مغربیت اور مرعوبیت کے برگِ حشیش نے جس لذّتِ سُکر میں ڈال کر اُمت کے اجتماعی نقدِ حیات کو لُوٹ لیا ہے اور انہیں اور بھی مدہوش کر دیا ہے، انہیں پھر ہوش آ جائے۔ آج منہاج القرآن

ؔ یہ سب کچھ ہمارے لیے عرصۂ محشر ہے

آگ ہے اولادِ ابراہیمؑ ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے!

اُمتِ مسلمہ کے لیے

؎ ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

کی نوید جانفزا ہے۔ میں صرف آواز دے رہا ہوں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آواز دینے والے سے آواز سننے والے بدرجہا بہتر ہوتے ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس صدا کو سننے والے کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو مجھ سے بہتر اس تحریک کو لے کر آگے بڑھ سکتے ہیں۔ یہاں سوال اُبھرتا ہے کہ تحریکِ منہاج القرآن نے زوالِ اُمت کے تدارک کے لیے یہی تین سطحیں کیوں اپنائی ہیں؟ جواباً عرض ہے کہ آج انہی تین خرابیوں نے اُمت کے عظیم کردار کو کالعدم کر کے رکھ دیا ہے وجودِ اُمت جن امراضِ فاسدہ کا شکار ہو چکا ہے اُن کا علاج اور عملِ جراحی کے ذریعے فاسد مواد خارج کر کے وجودِ اُمت کو کامل صحت سے ہمکنار کر دینا تحریکِ منہاج القرآن کا ہدف ہے۔

تشخیصِ علّت اور مسیحائی کا نقطۂ اولیٰ

ہماری نوجوان نسل کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ سائنسی ترقی، جدید مغربی الحادی اور مادی افکار کی یلغار نے ان کے ذہن پراگندہ کر دیتے ہیں۔ ان کے ذہن عام تبلیغ کو قبول نہیں کرتے۔ وہ محض اس لیے کسی بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں کہ چونکہ یہ بات مولوی صاحب نے کہی ہے، فلاں بزرگ نے کہی ہے یا والد صاحب نے کہی ہے۔ اگر وہ بظاہر ادب وحیاء کے باعث حرفِ اعتراض زبان پر نہ بھی لائیں تو اُن کے ذہنوں میں سوالات کی لہریں ضرور اٹھتی ہیں کہ کیوں مان لیں! اس کی دلیل کیا ہے؟ اس کا ثبوت کیا ہے؟ جن نوجوانوں نے ملکی اور غیر ملکی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی، جدید ماحول میں پرورش پائی اور نئی سوسائٹی میں رہے۔ ان کی

شخصیتوں پر سے اسلامی افکار و اعمال کی گرفت کمزور ہوتی چلی گئی اور ان کے ذہنوں میں سائنسی نقطۂ نظر، فلسفیانہ اندازِ فکر اور تنقیدی رویے اس قدر راسخ ہو گئے کہ اب وہ دین کے ہر مسئلے پر حتیٰ کہ عقائد و ایمانیات کے باب میں بھی سوال کرتے ہیں، اپنے شک و شبہ کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں سوال اُبھرتے ہیں کہ اب حالات بدل گئے، زمانہ بدل گیا، نئے حالات کے نئے تقاضے ہیں۔ ہمیں چودہ سو سال پہلے نازل شدہ قرآن کو ماننے اور اس کے قوانین پر عمل کرنے کے لیے کیوں کہا جاتا ہے؟ حضور علیہ السلام کی نبوّت کو ہمیشہ کے لیے کیوں مانا جائے؟ فلاں چیز حلال کیوں ہے؟ فلاں حرام کیوں ہے! نماز اور تلاوتِ قرآن کی کیا برکتیں اور فوائد ہیں؟ یہ سب کچھ نہ کریں تو کیا ہو جائے گا؟ جو ذہن اسلام سے موجودہ دَور کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی و ثقافتی مسائل کا حل مانگتا ہے وہ محض وعظ و تبلیغ اور مسائل و احکام سے مطمئن نہیں ہوتا! جب وہ مساجد اور دینی اجتماعات میں جاتے ہیں تو انہیں مایوسی ہوتی ہے کیونکہ ان کی طلب کچھ اور ہوتی ہے اور وہاں باتیں ہی دوسری ہیں۔ کہیں قصّہ کہانی بیان ہو رہی ہے۔ کہیں طعن و تشنیع کے تیر برسائے جاتے ہیں کہیں کفر کے فتوے گولوں کی طرح برسائے جاتے ہیں بعض لوگ اپنی ناراضگیاں اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ اسلام کو اپنی ملکیت بنا کر مخالفین کو اس کے دائرے سے نکالنے کے لیے فتووں کی لٹھ لیے ان کے پیچھے ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر نوجوانوں کے ذہن منتشر اور پراگندہ ہو جاتے ہیں اور جب وہ اپنے اضطراب کو ظاہر کرتے ہیں تو انہیں 'Snub' کر دیا جاتا ہے، جھڑک دیا جاتا ہے کہ توبہ کرو! شرم نہیں آتی! دین کے بارے میں اور اللہ کے بارے میں بکواس کر رہے ہو! علمائے دین پر تمہیں اعتماد نہیں! وہ غریب ڈانٹ ڈپٹ سے گھبرا کر فتوے کے ڈر سے خاموش ہو جاتے ہیں لیکن فکر و تخیل کی جوئے کہسار، سوچوں

کے سیلِ بے پناہ اور شکوک و شبہات کی لہروں کے آگے کون بند باندھ سکتا ہے؟
اس طوفان کو زبردستی روکنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا بے پناہ زور آخرکار
ادب، حیاء اور تعظیم کے بندوں کو توڑ کر سب کچھ بہا کر لے جاتا ہے۔ پھر نہ سوچیں
رُکتی ہیں نہ لفظ رُکتے ہیں اور نتیجۃً آدمی دین سے باغی ہو جاتا ہے۔ نوجوانوں کی اس
گمراہی اور فکری کرب کے علاج کے لیے منہاج القرآن "Scientific Presentation of Islam" کا تصوّر دیتا ہے۔ اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ دین
کے اساسی عقائد و ایمانیات اور تفصیلی احکام و تصوّرات کو وقت کی اعلیٰ ترین
علمی سطح پر منطق، فلسفہ اور سائنسی نظریات کے تناظر میں جدید فکری تقاضوں کے
تحت بین الاقوامی زبانوں میں مضبوط استدلال کے ساتھ تقابلی انداز میں ہر
موجود مذہب سے بہتر ثابت کیا جائے۔ انشاء اللہ کسی کے پاس اُنہیں درست
مان لینے اور قبول کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔ مَیں نے پاکستان کے اندر بیشمار
مجالس میں دیکھا، جو نوجوان مجلس کے آغاز میں اِسلام پر بُری طرح برس رہے
تھے انہیں جب سائنسی نقطۂ نظر سے دین سمجھا دیا گیا تو اُن کی آنکھیں اشک
بداماں تھیں۔ میرے حالیہ دورۂ یورپ کے دوران مجھے انگلستان میں چند مسلم
نوجوان ملے۔ انھوں نے کہا ہم آپ کے ساتھ چند سخت باتیں کرنا چاہتے ہیں۔
آپ ناراض تو نہ ہوں گے؟ مَیں نے کہا آپ کے ذہن میں سخت باتوں کا جو تصوّر
ہے اس سے سو گنا زیادہ سخت باتیں بھی آپ کریں تو مَیں ہرگز ناراض نہ ہوں گا"
اور پھر جب وہ بولے تو تلاوت پر برسے، نمازوں پر اعتراضات کیے، اذان
کے خلاف بولے۔ اُن کے سوالات تھے کہ شراب کیوں حرام کی گئی؟ دودھ
کیوں حرام نہیں کیا گیا حالانکہ دونوں مشروب ہیں!! اب اگر ہم یہ جواب دیں
کہ شراب کو رسولؐ نے حرام کہا ہے، قرآن نے حرام کہا ہے تو یہ اُن کی بات کا

جواب نہیں۔ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور قرآن ہی کو چیلنج کر رہے ہیں اب اگر ہم روائتی طریقہ اختیار کریں کہ قرآن کو چیلنج کرنا تو کفر ہے۔ اس لیے تم کافر ہو گئے تو بغاوت مزید بھڑکے گی۔ لیکن اگر ہم استدلال اور سائنس کی زبان میں بات کریں، ان کے سامنے سائنسی طور پر ثابت کریں کہ اس کے فلاں فلاں اجزاء (Ingredients) انسانی صحت اور اخلاق کے لیے مضر ہیں تو یقیناً وہ مان جائیں گے۔ ان کا اضطراب دُور ہو جائے گا۔ انہیں قرآنی تعلیم کی حقانیت سمجھ میں آجائے گی اور جب وہ ذہنی و فکری طور پر مطمئن ہو جائیں گے تو دین کو ذہنی طور پر قبول کرنا ان کے لیے چنداں مشکل نہ رہے گا۔ اسی طرح دوسرے مسائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن عربی زبان میں کیوں ہے۔ اگر آفاقی کتاب ہدایت ہے تو اسے یا تو تمام زبانوں میں ہونا چاہیئے تھا یا کسی ایسی زبان میں ہونا چاہیئے تھا جسے دنیا کے ہر خطے کا انسان سمجھ سکتا! کبھی وہ خلفائے راشدین پر برستے ہیں اور کبھی یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ "Why Muhammad did this?" یعنی انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے کا ادب اور سلیقہ بھی نہیں۔ اندریں حالات کتنے دکھ کی بات ہے کہ اہلِ دین ان باتوں میں اُلجھے ہوتے ہیں جو محض فروعی اور جزوی ہیں جب کہ اُمت بحیثیتِ مجموعی گمراہی کی طرف جا رہی ہے۔ آج یورپ میں مسلمان نوجوانوں کی یہ کیفیت عبرتناک ہے اور اگر اس کا مداوا نہ کیا گیا، تدارک نہ کیا گیا تو اللہ معاف کرے چند سال تک آپ کو وہی حالات یہاں بھی نظر آنے لگیں گے

میرے حالیہ دورۂ یورپ میں نوجوانوں نے مختلف نشستوں میں مجھ سے بے شمار سوالات کئے۔ انکا انداز جارحانہ ہوتا تھا اور جب ان کے بزرگ والدین انہیں روکتے اور ڈانٹتے کہ شرم کرو تو میں انہیں ٹوک دیتا کہ سب آپ کی غیر ذمے داری، دین سے بے توجہی اور کسب مال سے شدید رغبتوں کا نتیجہ ہے۔ میں نے ان نوجوانوں کے ہر ہر سوال

کا جواب ان کی طلب کے مطابق دیا تو سارے مطمئن ہو گئے، ان کی آنکھوں میں اعتماد کی چمک پیدا ہو گئی اور جب میں وہاں سے روانہ ہوا تو وہ جو تین دن پہلے اسلام پر برس رہے تھے مجھے روانہ کرتے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے انہوں نے کہا آج ہم خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھتے ہیں کہ آج ہماری کایا پلٹ چکی ہے اور جو راستہ ہم بھول گئے تھے آج اللہ نے ہمیں اس پر لا کر کھڑا کر دیا ہے، ہمیں دوبارہ مسلمان ہو جانے پر فخر ہے اور اب ہم یہاں منہاج القرآن کے مشن کے فروغ کے لیے کام کریں گے ۔

تشخیص علت اور مسیحائی کا نقطۂ ثانیہ

ہماری نوجوان نسل کے دین سے گریزاں ہونے کا دوسرا بڑا سبب اہل دین، الا ماشاء اللہ کے قول و عمل کا تضاد ہے ۔ جب وہ مبلغین، اساتذہ اور والدین کو دیکھتے ہیں، جو بے عمل ہیں ــــ تو مایوس ہو جاتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے کچھ اور ہیں، کرتے کچھ اور ہیں ۔ جہاں سے انہیں ہدایت اور روشنی ملنی تھی وہاں تضادات کی تاریکیاں انہیں مایوس کرتی ہیں ۔ وہ بچہ زندگی میں سچ کس طرح بول سکتا ہے جو صبح و شام دیکھتا ہے کہ ابو گھر بیٹھے ہیں، باہر سے دستک ہوتی ہے اور بچے کے ذریعے ابو باہر یہ پیغام بھیجتے ہیں کہ کہہ دو گھر پر نہیں ہیں !! اب بچہ پاگل تو نہیں ! بچے تو بڑے حساس ہوتے ہیں ۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو محسوس کرتے ہیں ۔ جس بچے نے صبح سے شام تک والدین کو جھوٹ بولتے، بددیانتی کرتے، خیانت کرتے رزق حرام کماتے اور گالی گلوچ کرتے دیکھا ہو اس کی زبان کیسے پاک رہ سکتی ہے ؟ اس سے ایمانداری اور اعلیٰ کردار کا مطالبہ کیونکر کیا جا سکتا ہے ؟ جو نوجوان مدارس میں سازشیں، گالیاں، فتویٰ بازیاں اور امراء پرستیاں دیکھے گا وہ کیونکر اہل دین

پر اعتماد کرے گا؟ وہ جب اساتذہ کے پاس جائے تو اعلیٰ اقدار کی بات سُنے اور ان کا عمل دیکھے تو وہ تمام قدروں کو پامال کر رہے ہوں، وہ وکلاء کی باتیں سُنے تو قانون کی عظمت اس کے دل میں بیٹھنے لگے اور جب وکلاء کی بے اصولیاں اور قانون شکنیاں دیکھے تو پریشان ہو جائے۔ جب ہمارا تمام تر کردار قول و عمل کی وحدت سے عاری ہو، ہماری نصیحتیں محض افسانہ خوانی ہو کر رہ جائیں لیڈروں اور رہنماؤں کے قول و عمل میں تضاد ہو تو نوجوان جو والدین، اساتذہ اور رہنماؤں کے بے رحم نقاد ہیں کدھر جائیں! وہ کیونکر ان سب کا احترام کریں؟ گفتار و کردار کے تضادات سے بھرپور اس معاشرے کے مشاہدہ سے نوجوانوں کے اعتماد کو دھچکا لگتا ہے، ان کا عمل تباہ ہو جاتا ہے اور بڑوں کی بدکرداریاں نوجوانوں کے لیے بدترین کردار کی راہ ہموار کر دیتی ہیں۔ آج ضرورت ہے کہ علماء اور سکالر وقت کی آواز پر کان دھریں۔ اپنے قول و عمل کے تضاد کو ختم کر کے گفتار و کردار میں وحدت پیدا کریں۔ جب رہنما اپنے ظاہر و باطن، جلوت و خلوت باہر اور اندر کے تضاد و تخالف کو ختم کر کے اپنے کردار میں وحدت (Unity) پیدا کریں گے، اُن کی زندگی واقعتہً ایک مردِ مومن کی زندگی بن کر اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ نظر آئے گی تو نوجوانوں کی وحشت ختم ہو جائے گی۔ وہ یقیناً دین کے قریب آ جائیں گے۔ ان پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ اسلام محض گفتار نہیں کردار بھی ہے۔ عقیدہ نہیں تحریک بھی ہے۔ ادارہ منہاج القرآن اس نہج پر کام کرنے کا حق ادا کرنا چاہتا ہے اور اپنی انتہائی کوشش کر رہا ہے۔ ہم اسلام کی تعلیم کو عمل کے سانچے میں ڈھال کر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ نوجوانوں کے لیے منہاج القرآن کا پیغام یہ ہے کہ آپ تضادات کے خلاف جہاد کریں اور اپنے قول و عمل اور خلوت و جلوت کو وحدت و یکجہتی کا ایسا نمونہ بنائیں کہ اقبالؒ کی یہ خواہش جامہ تکمیل پہن لے۔

شراب کہن پھر پلا ساقیا
وہی جام گردش میں لا ساقیا
مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا
مری خاک جگنو بنا کر اڑا
خرد کو غلامی سے آزاد کر
جوانوں کو پیروں کا استاد کر

تشخیص علت اور مسیحائی کا نقطۂ ثالثہ

کچھ لوگ فکری و علمی طور پر اسلام سے مطمئن ہوتے ہیں۔ عمل کے معاملے میں وہ اس شعور سے بہرہ ور ہوتے ہیں کہ عمل کا تضاد ہر فرد کا ذاتی مسئلہ اور شخصیت و سیرت کی کمزوری کے باعث ہے لہٰذا ہمیں اس راہ پر نہیں چلنا چاہیئے۔ ایسے نوجوانوں کا مسئلہ خالص روحانی (Spiritual) نوعیت کا ہوتا ہے۔ ان کا قلب و دماغ مضطرب اور روح بے چین رہتی ہے۔ کہیں دل نہیں لگتا۔ روزہ رکھتے ہیں مگر روح پر کیفیتِ صبر طاری نہیں ہوتی۔ نماز پڑھتے ہیں مگر لطف نہیں آتا، دل اللہ کی یاد کی طرف راغب نہیں محض Exercise ہوتی ہے۔ تلاوت و عبادت جو بھی کریں اس پر استقلال نصیب نہیں ہوتا کیونکہ دل کے اللہ کی طرف مائل اور راغب نہ ہونے کے باعث طبیعت عبادت کے اثرات کو قبول نہیں کرتی اور عبادت بوجھ محسوس ہونے لگتی ہے۔ بعض نوجوانوں کو قلبی و ذہنی طور پر ایسی شرمناک سوچوں، مسائل اور پریشانیوں کا سامنا ہے کہ آدمی سن نہیں سکتا۔ یہ سب کچھ ان کے ایمان کو جلائے جا رہا ہے۔ ایسی سوچوں کے تباہ کن اثرات ان کی شخصیتوں کو تباہ کر رہے ہیں۔ ان کے قلب و روح کو وہ روگ لگ چکے ہیں جن کا علاج استقلال

اور منطق سے ممکن نہیں۔ ان کا علاج صرف یہ ہے کہ اُن کے دلوں کو "Approach" کیا جائے۔ ان کے دل اللہ کی طرف راغب ہو جائیں، وہ دعا مانگیں تو اس احساس و شعور کے ساتھ کہ اللہ سے ہمکلام ہیں، ان کے دلوں میں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نور روشنیاں بکھیر دے، عبادت کا شوق پیدا ہو جائے۔ جب ان کے دلوں میں عشقِ الٰہی کی ایک چنگاری بھی بھڑک اٹھی تو ان کا راستہ صاف اور منزل آسان ہو جائے گی۔

روحانی امراض کے علاج کے لیے منہاج القرآن نے

"Spiritual Presentation of Islam"

کا تصور دیا ہے۔ منہاج القرآن کا مقصد نوجوانوں کو ہر طرف سے کاٹ کر صرف اللہ کے ساتھ جوڑ دینا ہے۔ نوجوانوں کو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی شمع کے گرد پروانے بنا دینا ہے۔ ان کے دلوں کو مال و دولت، جاہ و منصب، حرص و لالچ، خاندانی عصبیتوں، غیر محرم بچیوں اور عورتوں سب کی محبتوں سے پاک کر کے، ان کے جذباتِ عشق کو ہر طرف سے موڑ کر صرف ذاتِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستہ و پیوستہ کر دینا ہے۔

آج ہمارے نفس نے ہمیں اتنا اُلجھا کے رکھ دیا ہے، ناپاک اور نفسانی محبتیں ہماری طبیعتوں کے اوپر اس قدر غالب آچکی ہیں کہ ہم اپنے مقام و مرتبہ کو فراموش کر بیٹھے ہیں، ہم ایسے نادان ہیں کہ بقول اقبال"

فدا کرتا رہا دِل کو حسینوں کی اداؤں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادا تُو نے

یہ ہمارے نفس کے میلانات ہیں جنہوں نے ہمیں بیکار کھا ہے۔ ہم ایسی فانی محبتوں میں اُلجھے ہوئے ہیں جن کا حال یہ ہے کہ کوئی عاشق اپنی محبوبہ کی طرف دیکھے جا رہا تھا

محبوب نے کہا اُدھر دیکھو وہ مجھ سے کہیں بڑھ کر حسین ہے، میرے حُسن کی حیثیت اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ اُسے اللہ نے مجھ سے، لاکھوں گنا زیادہ حُسن دیا ہے اس عاشق نے اس دوسرے حسین کو دیکھنے کے لیے نگاہ اٹھائی تو اس کی محبوبہ نے پتھر مارا اور اُس کا سر پھوڑ دیا اور کہا کہ تیری محبت محض نفس پرستی ہے، اگر تیری محبت صادق ہوتی تو تُو کسی اور کی طرف دیکھنے کا تصور بھی نہ کر سکتا۔ تیری نگاہ کا ادھر اٹھنا اس حقیقت کی دلیل ہے کہ تو محض حُسن پرست اور نفسانیت سے مغلوب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفسانی محبتیں تو کبھی سچی ہو ہی نہیں سکتیں، نفس پرست تو ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے۔ منہاج القرآن کا مقصد نوجوانوں کے اندر سے نفس پرستیوں کو کھُرچ کر اُن کے قلب و باطن کو مانج کر اُن کے دلوں میں ایک ایسے محبوبؐ کی تصویر کا نقش جما دینا ہے جو محبوب خالق کائنات ہے۔ جس کے حُسن و جمال کا مقابلہ کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دُنیوی اور فانی محبوب جور و جفا کرتے ہیں مگر وہاں وفا ہی وفا ہے۔ دُنیا کے محبوب منہ پھیر لیتے ہیں مگر وہ منہ پھیرنے والے عاشق کی طرف سے بھی منہ نہیں پھیرتا۔ فانی محبوب قریب نہیں پھٹکنے دیتے، مگر وہ گالیاں دینے والوں کو بھی سینے سے لگاتا ہے۔ ہمارا مقصد اسی محبوبؐ خدا کی جھلک دکھا کر نوجوانوں کے دلوں میں جذبات کا تلاطم برپا کر دینا ہے، انہیں اس مرکزِ محبت کی طرف راغب کر دینا ہے کہ جہاں سے محبتوں کی خیرات ملتی ہے۔ جب نوجوانوں کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی چنگاریاں پھوٹیں گی تو اُن کے دل یادِ الٰہی میں لذت محسوس کریں گے۔ جب وہ پچھلے پہر اُٹھ کر اللہ کو منانے کے لیے روئیں گے، یادِ الٰہی سے آنکھیں پُرنم ہو جائیں گی تو ان کی تقدیریں بدل جائیں گی۔ ان کے جذبات کو وہ نسبتیں حاصل ہو جائیں گی جو قلب و باطن کو نور بنا دیتی ہیں اور یہ لذتیں اور حلاوتیں پلنے والا

ہر نوجوان کہے گا کہ میں تو آج تک بھولا رہا۔ گزشتہ زندگی محض بے کار ضائع کی۔ کاش مجھ پر ان لذتوں اور عشق کی ان کیفیتوں کا دروازہ بہت پہلے کھل جاتا!

اگر نوجوان اس دور شباب کو غنیمت سمجھ کر اپنے دلوں کو اللہ کی طرف راغب کرلیں، توجہات اور جذبات کی ڈوریاں دنیوی محبوبوں سے کاٹ کر اللہ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جوڑلیں تو ان کی زندگیاں تمام آلودگیوں سے پاک ہو کر تمام لغویات اور بدکاریوں، مفاد پرست سیاستوں اور گھٹیا سوچ سے ماورا ہو کر دنیا کے اندر ان کے لیے فلاح و خیر کا سامان اور آخرت میں رضائے الٰہی کا سبب بن جائیں گی۔

منہاج القرآن نوجوانوں کے اندر مختلف سطحوں پر موجود ان تینوں فکری، عملی اور روحانی علتوں کا علاج کر کے اخلاقی، فکری و علمی اور روحانی تربیت کے ذریعے انہیں ایسی زبردست اور بھرپور شخصیتیں بنا دینا چاہتا ہے جو اسلام کی قوت بن کر اٹھیں، طاغوتی طاقتوں کے خس و خاشاک کو اپنے سیلِ شباب میں بہا کر لے جائیں کفر کے ایوانوں میں زلزلہ برپا ہو جائے اور ایک بار پھر بحالی غلبۂ دین کے باعث انسانیت تمام دکھوں سے نجات پالے اور یہ زمین انسانوں کے لیے جنت نظیر بن جائے یہ سب کچھ اس ذاتِ بے مثیل و بے عدیل کے دامن سے وابستہ و پیوستہ ہو جانے کا ثمر ہوگا۔ جس کی رحمتوں کا نہ کوئی اندازہ ہے نہ شمار۔

جو ہر اک دور میں تاریخ کا عنواں ٹھہرا\
جو ہر اک عہد میں انسان کے کام آیا ہے